اُردو ریسرچ جرنل "تشکیل" جلد:4، شمارہ:1 (جنوری تا جون 2026ء)

Urdu Research Journal Tashkeel ISSN (Online): 3007-3294, ISSN (Print): 3007-3286
Article Received: 11-03-2026 / Accepted: 28-06-2026 / Published: 30-06-2026
https://creativecommons.org/licenses/by-nc/4.0/
Doi: https://doi.org/10.66457/tashkeel.v4i1.62

سیدہ عالیجاہ

پی ایچ ڈی اُردو اسکالر، وفاقی اُردو یونیورسٹی برائے آرٹس، سائنس اور ٹیکنالوجی، کراچی

ڈاکٹر نادیہ راحیل

اسسٹنٹ پروفیسر اُردو، وفاقی اُردو یونیورسٹی برائے آرٹس، سائنس اور ٹیکنالوجی، کراچی

تحقیقی جریدے "امتزاج" کے منتخب شماروں کے مضامین کا تنقیدی جائزہ

Syeda Aalijah
Ph.D. Urdu Scholar, FUUAST, Karachi
Email: aaliaahmed1791@gmail.com
ORCID: https://orcid.org/0009-0005-1291-7398
Dr. Nadia Raheel
Assistant Professor Urdu, FUUAST, Karachi
Email: nadia@fuuast.edu.pk
ORCID: https://orcid.org/0009-0006-7305-9806

Critical Review of Research Articles Published in Selected Issues of Imtezaaj

ABSTRACT

This paper presents a critical and analytical review of the research articles published in the scholarly journal Imtezaaj. The Journal contributed significant scholarship across diverse domains of Urdu literature. Including classical poetry, modern fictional prose, and linguistics and translation studies. The primary objective of this study is to evaluate the journal’s role in maintaining research standards, exploring innovative themes and promoting critical thinking during these two years (2019-20). The analysis reveals that while, Imtezaaj adhered to traditional research methodologies.it also gave considerable importance to contemporary literary trends and Interdisciplinary approaches.

Keywords: *Imtezaaj, University of Karachi, Research Articles, Literary and Intellectual trends, Research Methodology, Research Journal, Jareeda*

اُردو زبان و ادب کی تحقیق میں علمی جرائد کو بنیادی حیثیت حاصل ہے کیونکہ یہی جرائد تحقیق کے نئے زاویے متعارف کراتے، علمی معیار کو برقرار رکھتے اور ادبی و فکری مکالمے کو فروغ دیتے ہیں۔ انہی معتبر تحقیقی جرائد میں "امتزاج" ایک

نمایاں نام ہے جس نے قلیل عرصہ میں اُردو تحقیق کے میدان میں اپنی مضبوط شناخت قائم کی۔ جامعہ کراچی کا قیام 1951ء میں عمل میں آیا جو پاکستان میں اُردو کے ایک اہم تعلیمی و تحقیقی مرکز کی حیثیت رکھتی ہے۔ جامعہ کراچی میں شعبہ اُردو کی تاریخ دراصل پاکستان میں اُردو زبان کی علمی و تحقیقی ترویج کی تاریخ ہے۔ تحقیقی جریدہ "امتزاج" کا اجراء جامعہ کراچی کے شعبہ اُردو کے زیر اہتمام عمل میں آیا۔ 2014ء میں اپنے آغاز سے ہی جریدہ "امتزاج" اپنی علمی صداقت اور تحقیقی معیار کو برقرار رکھے ہوئے ہے۔ "امتزاج" ششماہی بنیادوں پر شائع ہوتا ہے اور ہائر ایجوکیشن کمیشن (HEC) پاکستان کے وضع کردہ معیار کے مطابق علمی مقالات کی اشاعت کو یقینی بناتا ہے۔

ماضی میں ڈاکٹر ذوالقرنین احمد شاداب احسانی جو جامعہ کراچی کے ممتاز اساتذہ میں شمار ہوتے ہیں اس جریدے کے مدیر رہے ہیں جنہوں نے رسالے کے لئے اداریہ نویسی کی روایت قائم کی اور اس کے تحقیقی معیار کو بلند کیا۔ ڈاکٹر تنظیم الفردوس جو خود ایک نامور محقق اور نقاد ہیں اس جریدے کی مدیر اعلی رہی ہیں۔ ان کے علاوہ "امتزاج" کے انتظامی ڈھانچے میں شعبہ اُردو جامعہ کراچی کے ممتاز اساتذہ شامل ہیں جو اصول پسند اور معیار پر کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں کرتے:

> "شعبہ اُردو کے تحقیقی جریدے 'امتزاج' کی ویب گاہ کی افتتاحی تقریب 2 اکتوبر بروز بدھ منعقد ہوئی۔ اس تقریب کے مہمانِ خصوصی شیخ الجامعہ ڈاکٹر خالد محمود عراقی تھے۔"[(1)]

"امتزاج" کا بنیادی مقصد اُردو تحقیق میں بین الریاستی اور بین الکلیاتی مکالمے کو فروغ دینا اور تحقیق کے مروجہ جدید معیارات کو اُردو زبان کے تناظر میں لاگو کرنا تھا۔ یہ جریدہ محض ایک روایتی مجلہ نہیں بلکہ یہ اُردو تحقیق کی اس نئی لہر کی نمائندگی کرتا ہے جو ہائر ایجوکیشن کمیشن (HEC) کے سخت ضوابط اور عالمی معیار کی علمی جانچ پرکھ کے تحت وجود میں آئی۔

اس مقالے میں تحقیقی جریدہ 'امتزاج' میں 2019ء تا 2020ء کے دوران میں شائع ہونے والے تحقیقی مضامین کا تنقیدی جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔ اس جائزے کا بنیادی مقصد جریدے میں شامل تحقیقی مضامین کے فکری و نظریاتی نقطہ نظر کو سامنے رکھتے ہوئے ان مضامین میں پیش کئے گئے تحقیقی مواد، معیار، صداقت اور عصری تقاضوں سے ہم آہنگی کا غیر جانبدارانہ احاطہ کرنا ہے۔ یہ تنقیدی جائزہ جہاں ایک طرف "امتزاج" جریدے کی ادبی خدمات کو خراج تحسین پیش کرے گا، وہیں اس میں موجود بہتری کی گنجائش کو بھی اجاگر کرے گا۔

سال 2019ء میں "امتزاج" کے دو شمارے منظر عام پر آئے۔ ان شماروں میں شامل تحقیقی مقالات میں اُردو ادب کے کلاسیکی اور جدید دونوں پہلوؤں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ "امتزاج" کے شمارہ نمبر 11 میں کل چھ تحقیقی مقالات ہیں جن کا

تعلق سفر نامہ نگاری، میر شناسی، جدید اُردو نظم، طنز و مزاح اور ڈرامہ نگاری سے ہے۔ جن کی تفصیل ذیل میں دی جارہی ہے:

1۔ سندھ کے خانقاہی ادب میں سفر نامے کی روایت از ڈاکٹر ذوالفقار دانش

یہ مقالہ سندھ کی صوفیانہ روایات اور سفر نامہ نگاری کے امتزاج کو پیش کرتا ہے۔ مقالہ نگار نے اس میں اس بات پر روشنی ڈالی ہے کہ سفر نامہ نگاری محض جغرافیائی حقائق کا نام نہیں بلکہ یہ انسانی زندگی کے نفسیاتی اور روحانی پہلوؤں کو سمجھنے کا ذریعہ ہے۔ سندھ میں خانقاہی نظام کی جڑیں بہت گہری ہیں اور ان خانقاہوں سے وابستہ افراد سندھ کے صوفیاء اور مشائخ کے سفر نامے اس خطے کی فکری اور سماجی تاریخ کا اہم حصہ ہیں۔ اس مقالے میں سندھ سے تعلق رکھنے والے مختلف سلسلوں سے وابستہ افراد کے سفر نامے اور ان سفر ناموں کے محرکات، اسلوب، خانقاہی پہلوؤں پر بحث کے ساتھ ان کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے، جیسے کہ مفتی تقی عثمانی صاحب کے سفر ناموں "جہان دیدہ" اور "دنیا مرے آگے" کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ ان سفر ناموں میں زمینی حقائق کے ذریعے مسلمانوں کو بیداری کا درس ناصحانہ انداز اپنائے بغیر پس پردہ مل جاتا ہے:

> "یہ سفر نامے ایک طرف مختلف ممالک اور شہروں کے بارے میں جغرافیائی، سماجی، معاشی، سیاسی اور دیگر معلومات فراہم کرتے ہیں تو دوسری جانب وہاں اسلام اور مسلمانوں کی سماجی، معاشی اور اخلاقی صورتحال سے بھی آگاہی دیتے ہیں۔" (2)

خانقاہی ادب میں سفر نامے محض جغرافیائی بیان نہیں بلکہ روحانی تجربات، کشف و کرامات اور تربیت نفس کی داستان ہوتے ہیں۔ مقالہ نگار نے اس اہمیت کو اجاگر کیا تاہم بعض مقامات پر موضوع کی وسعت کے باعث گہرائی متاثر ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ یہ تحقیقی مقالہ سندھ کی صوفیانہ روایت کو سمجھنے کے لئے ایک قیمتی علمی کاوش ہے اور اُردو ادب میں سفر نامہ نگاری کے ارتقاء میں صوفیانہ روایت کے کردار کو اجاگر کرتا ہے۔

2۔ انتخاب کلام میر: میر شناسی کی روایت کا نقش اول از ڈاکٹر شازیہ امبرین

ڈاکٹر شازیہ امبرین نے اپنے مقالے میں مولوی عبد الحق کی تدوینی خدمات کا جائزہ لیا ہے۔ مقالہ نگار کا بنیادی موقف یہ ہے کہ مولوی عبد الحق کا ترتیب دیا ہوا "انتخاب کلام میر" جو 1921ء میں انجمن ترقی اُردو سے شائع ہوا۔ میر کی شاعری کو یکجا کرنے اور اسے صحیح تناظر میں پیش کرنے کی پہلی سنجیدہ اور علمی کوشش تھی۔ مولوی عبد الحق نے "انتخاب کلام میر" کے مقدمے کے ذریعے میر کے فن کے امتیازی پہلوؤں (سوز و گداز، سادگی، غنائیت) کو نمایاں کیا جن پر بعد میں آنے والے نقادوں نے میر شناسی کی عمارت کھڑی کی۔ تاہم یہ مقالہ صرف ستائش تک محدود نہیں بلکہ ان خامیوں کی بھی نشاندہی کی گئی ہے جو اس دور کی ابتدائی تدوینی کوششوں کا حصہ تھیں۔ ڈاکٹر شہاب الدین ثاقب لکھتے ہیں:

"بابائے اُردو کے مرتبہ انتخاب کلام میر پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس کے متن میں بے تحاشہ غلطیاں ہیں۔ جس کی وجہ سے بعض اشعار کی صورت مسخ ہو کر رہ گئی ہے۔"(3)

مقالہ نگار نے مولوی عبد الحق کے مقدمے کا تنقیدی مطالعہ کیا ہے اور دکھایا ہے کہ کس طرح مولوی عبد الحق نے میر کے کلام سے انتخاب کرتے ہوئے بعض اہم پہلوؤں کو نظر انداز کیا جس پر اثر لکھنوی جیسے معاصرین نے بھی اعتراضات کئے تھے:

"مولوی صاحب نے میر کے جن اشعار کا انتخاب کیا ہے ناقدین کے نزدیک میر کے کلام کا یہ انتخاب مستند نہیں ہے، کیونکہ اس میں میر کے بعض بہت اہم اور معروف اشعار بھی شامل ہونے سے رہ گئے ہیں"(4)

مقالہ نگار نے ان اعتراضات کے تناظر میں مولوی صاحب کے موقف اور انتخاب کے علمی پس منظر کا بھرپور دفاع کیا ہے۔ مقالہ نگار نے مولوی صاحب کے انتخاب کے معیار کا تجزیہ کرتے ہوئے میر کے کلام میں سے انتخاب کے بہترین اشعار کو کیسے منتخب کیا اور ساتھ ہی ان چیلنجز پر بھی روشنی ڈالی جو اتنے بڑے کلیات (مثلاً منشی نول کشور کانپور کا نسخہ) سے انتخاب کرتے وقت پیش آئے۔ یہ مقالہ میر شناسی کی تاریخ میں ایک اہم اضافہ ہے جو یہ باور کراتا ہے کہ میر کی تفہیم کے لیے مولوی عبد الحق کا کام بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔

3۔ جدید اُردو نظم پر ثقافتی اثرات از ڈاکٹر شمع افروز

یہ تحقیقی مقالہ اُردو نظم کے ارتقاء کو برصغیر کی تہذیب و ثقافت کے آئینے میں پیش کرتا ہے۔ مقالہ نگار کا موقف ہے کہ اُردو شاعری نے اپنی تمام اصناف کے ذریعے برصغیر کی تہذیبی اقدار کی ترجمانی کی ہے۔ جدید اُردو نظم میں مغربی افکار اور مقامی ہندوستانی و اسلامی اقدار کے ٹکراؤ اور ملاپ نے ایک نیا شعری شعور پیدا کیا۔ جس سے نظم کے موضوعات میں وسعت آئی۔ ڈاکٹر عبادت بریلوی فرماتے ہیں:

"درحقیقت جدید شاعری وہ شاعری ہے جو کسی انقلابی انداز سے بدلتے ہوئے ماحول کی صحیح ترجمانی میں خود اپنے آپ کو بدل دے۔ اس کے لیے روایت سے تھوڑی سی بغاوت ضروری ہے۔ تجربے کا ہاتھ بھی اس میں شامل ہونا یقینی ہے، جو شاعری روایت کی بنی بنائی ڈگر سے تھوڑا ہٹ کر چلتی ہے اور جس کی رفتار میں تجربہ کا آہنگ ہوتا ہے۔ اس کو ادبی اصطلاح میں جدید کہتے ہیں۔"(5)

مقالے میں مختلف ادوار کی شاعری کا حوالہ دے کر یہ ثابت کیا گیا ہے کہ نظم کس طرح سماج کی ثقافتی تبدیلیوں کو اپنے اندر سموتی ہے۔

4۔ خیبر پختونخوا میں جدید اُردو نظم از ڈاکٹر عتیق الرحمن یوسفزئی

ڈاکٹر عتیق الرحمن یوسفزئی کا تحقیقی مقالہ خیبر پختون خواہ کے شعری منظر نامے پر ایک گہری نظر ڈالتا ہے۔ اگرچہ اُردو اس خطے کی مادری زبان نہیں ہے لیکن یہاں کے شعراء نے اُردو نظم کو وہ جلا بخشی ہے جو کسی بھی اہل زبان شاعری کے لیے باعث رشک ہو سکتی ہے۔ جدید دور میں خیبر پختون خوا میں آزاد نظم اور جدید رجحانات نے گہرے اثرات مرتب کئے ہیں۔ یہ مقالہ خیبر پختون خواہ میں اُردو نظم کی روایت کو مستحکم کرنے میں یہاں کے شعراء کے کردار کو اجاگر کرتا ہے۔ مقالہ میں خیبر پختون خواہ کے ممتاز شعراء مثلاً گوہر نوید، پرتو روہیلہ، بشریٰ فرخ، جوہر میر، غلام محمد قاصر اور احمد فواد کی شاعری کے حوالے سے اس بات کو مدلل انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ یہاں کی نظم عالمی اور مقامی شعور کا بہترین امتزاج ہے۔ خاص طور پر آزاد نظم کے حوالے سے اس خطے کے شعراء کی فنی پختگی کو سراہا گیا ہے۔ مقالہ نگار نے جدید اُردو نظموں میں موجود رومانیت، حب الوطنی اور علاقائی ثقافت کے عکاس موضوعات کا تجزیہ کیا ہے۔ یہ تحقیقی مقالہ خیبر پختون خواہ کے ادبی منظر نامے میں جدید اُردو نظم کے ارتقائی سفر کی آگاہی کے لئے بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔

5۔ رتن ناتھ سرشار اور سجاد حسین کے ہاں اُردو مزاحیہ کرداروں میں لکھنوی تہذیب و ثقافت کی پیشکش: تقابلی مطالعہ از خورشید علی، ڈاکٹر فرزانہ کوکب

یہ مقالہ لکھنوی تہذیب کی مزاحیہ پیشکش کا تقابلی مطالعہ ہے۔ رتن ناتھ سرشار اور سجاد حسین نے اپنے ناولوں اور اخبار " اودھ پنچ " کے ذریعے جس مزاحیہ روایت کو فروغ دیا اس میں لکھنو کا معاشرتی زوال اور تہذیبی اقدار نمایاں تھیں۔ مقالہ میں اس بات پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ سرشار اور سجاد حسین دونوں نے لکھنوی تہذیب کے مخصوص رنگوں جیسے نفاست، زبان کی چاشنی، بذلہ سنجی، اور وضع داری کو مزاحیہ پیرائے میں پیش کیا۔ سرشار جہاں لکھنوی زندگی کی تصویر کشی میں وسعت رکھتے ہیں وہیں سجاد حسین کے ہاں طنز کی کاٹ زیادہ تیز ہے۔ جس میں لکھنوی معاشرے کی خامیوں کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ اس مقالے میں ان کرداروں کا تجزیہ بھی کیا ہے جو اپنی گفتگو، لباس اور رہن سہن سے لکھنوی تہذیب کی نمائندگی کرتے ہیں۔ سرشار کے کردار "خوجی" کے ذریعے انھوں نے لکھنوی معاشرے کی مزاحیہ اور جذباتی تصویر کھینچی ہے:

> " دونوں لکھنو کے تہذیبی مزاج، معاشی اور سیاسی نفسیات اور لوگوں کے طرز زیست سے متاثر ہوئے اور مزاحیہ کرداروں کے ذریعے لوگوں کے اعمال، طور طریقے اور انسانی زندگی کے خدوخال پیش کرنے میں کامیاب ہوئے۔ "(6)

مقالہ نگاروں نے ان دونوں ادیبوں کے تخلیق کردہ کرداروں کا تقابل کرتے ہوئے یہ دکھایا ہے کہ کس طرح انھوں نے طنز و مزاح کے پردے میں اپنے عہد کی معاشرتی برائیوں پر ضرب لگائی اور لکھنو کی مٹتی ہوئی تہذیب کو محفوظ کیا۔ مجموعی طور پر یہ مقالہ لکھنوی تہذیب کی پرانی یادیں اور اس کی زوال آمادہ صورت ِحال کو مزاح کے پیرائے میں سمجھنے کی ایک کامیاب علمی کوشش ہے۔

6۔ میرزا ادیب کی ڈرامہ نگاری۔ ترقی پسند اور نو آبادیاتی تناظر از ڈاکٹر نسیم عباس احمر

اس تحقیقی مضمون میں ڈاکٹر نسیم عباس احمر نے میرزا ادیب کی ڈرامہ نگاری کے فن کو سراہتے ہوئے لکھا ہے کہ میرزا ادیب کے (one act play) یک بابی ڈراموں کو اُردو میں وہ وقار بخشا جو اس سے پہلے مفقود تھا۔ ان کے نزدیک میرزا ادیب کے مکالمے مختصر، چست اور صورتحال کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ میرزا ادیب صرف خارجی حالات کے عکاس نہیں بلکہ وہ انسانی ذہن کی تہوں میں اترنے والے ڈرامہ نگار ہیں۔ میرزا ادیب کے ڈراموں میں تاریخی اور تہذیبی شعور بھی موجود ہے۔ انھوں نے اسلامی تاریخ کے ہیروز کو پیش کر کے مسلمانوں میں ہمت اور حب الوطنی کا جذبہ پیدا کرنے کی کوشش کی۔ ان کے کردار اپنے اندرونی تضادات اور سماجی دباؤ کے درمیان معلق نظر آتے ہیں۔ انھوں نے سماج کے پسے ہوئے طبقات، محنت کشوں اور عام انسانوں کے مسائل کو اپنے ڈراموں کا موضوع بنایا۔ میرزا ادیب کے ڈراموں میں برطانوی راج کے خاتمے کے بعد پیدا ہونے والی نفسیاتی کشمکش اور نو آبادیاتی ڈھانچے کی باقیات نظر آتی ہیں:

> "میرزا ادیب کے ڈراموں کی نمایاں خصوصیت سامراجی ذہنیت اور نو آبادیاتی طرز فکر پر
> ایک فنکار کے تخلیقی ضمیر کی بیداری ہے۔"(7)

میرزا ادیب نے اپنے ڈراموں میں جس حقیقی شعور کی عکاسی کی اس میں ایک طرف سماجی مسائل و مشکلات میں گھرا ہوا انسان تھا اور دوسری طرف نو آبادیاتی نظام کے پیدا کردہ تضادات تھے۔ مقالہ نگار نے یہ ثابت کیا ہے کہ میرزا ادیب نے روایتی ڈرامے سے ہٹ کر نفسیاتی اور سماجی ڈرامے کی جو بنیاد رکھی اس میں ان کا ترقی پسندانہ نظریہ نمایاں تھا۔ جس نے اُردو ڈرامہ کو ایک نیا رخ عطا کیا۔

2019ء کے دوسرے شمارے میں بھی 6 تحقیقی مقالات شائع کیے گئے جو احمد رضا خان کی نثر، اردو و فارسی لغات، ممتاز مفتی کی لفظیات، ارضِ پاکستان کا اولین سفر نامہ، ناولوں میں مزدور طبقے کی نمائندگی اور ریڈیو پاکستان کی صحافتی زبان جیسے موضوعات سے متعلق ہیں جن کا تجزیہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ اس شمارے کے مشمولات کی تفصیل کچھ یوں ہے:

1 ۔ مولانا احمد رضا خان کی اُردو نثر کا تاریخی تناظر از اصغر سیال

اصغر سیال کا یہ تحقیقی مضمون مولانا احمد رضا خان کی اُردو نثر کا تناظر، دینی فکر، فقہی مباحث اور اصلاح امت کے گرد گھومتا ہے۔ مولانا احمد رضا خان ہمہ جہت شخصیت تھے جن کی ادبی خدمات خاص طور پر نعت گوئی اور اُردو نثر میں بے مثال ہیں۔ ان کا نعتیہ دیوان "حدائق بخشش" اُردو نعت نگاری میں ایک اہم سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے جس نے نعت کو صنف ادب کے طور پر مستحکم کیا۔

احمد رضا خان کو عام طور پر ایک عظیم فقیہہ، مفتی اور نعت گو شاعر کے طور پر جانا جاتا ہے۔ مقالہ نگار نے ان کی اُردو نثر کو تحقیق کا موضوع بنا کر ایک اہم علمی خلا کو پر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس مقالے میں یہ واضح کیا ہے کہ مولانا کی نثر قدیم مسجع و مقفی عبارت آرائی اور جدید مقصدیت کا ایک منفرد امتزاج ہے۔ ان کی نثر میں فتاوی رضویہ جیسی کتابوں میں مسجع اور مقفٰی عبارتیں ملتی ہیں جو ان کی وسعت مطالعہ اور لسانی قدرت کا ثبوت ہیں۔ تاریخی تناظر میں ان کا ترجمہ قرآن "کنز الایمان" اُردو نثر کا شاہکار مانا جاتا ہے۔ تنقیدی نقطہ نظر سے دیکھیں تو اس ترجمے نے اُردو میں تعظیم و تکریم کی ایک نئی روایت قائم کی۔ انھوں نے اُردو محاورے کو برقرار رکھتے ہوئے عربی کے لغوی مفہوم کو اس طرح ادا کیا کہ کلام کی حرمت اور زبان کی چاشنی دونوں برقرار رہیں۔ احمد رضا خان نے اُردو کو محض رابطے کی زبان سے نکال کر ایک "علمی زبان" کے طور پر استعمال کیا۔ تاریخی طور پر احمد رضا خان کی نثر ایک "عالمانہ اسلوب" کی نمائندگی کرتی ہے۔ جہاں سرسید نے انگریزی اسلوب سے استفادہ کیا وہیں احمد رضا خان نے کلاسیکی اسلامی طرز تحریر کو اُردو کا لباس پہنایا۔ ان کی نثر میں وہ رعب اور علمی وقار موجود ہے جو ان کے مخصوص فکری مکتبہ فکر کی بنیاد بنا۔

2۔ برعظیم پاک وہند میں انیسویں صدی میں تالیف کی گئی اُردو اور فارسی لغات (ایک تعارف) از سائرہ اکرم خان

سائرہ اکرم خان کا یہ تحقیقی مقالہ لسانیات اور لغت نگاری کی تاریخ میں ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ مقالہ نگار نے انیسویں صدی کا انتخاب کیا ہے جو برصغیر میں لسانی تبدیلیوں کا اہم ترین دور تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب فارسی کا اقتدار ختم ہو رہا تھا اور اُردو بطور عوامی زبان جڑ پکڑ رہی تھی۔ مقالہ نگار نے اس عبوری دور کی لغات کا جائزہ لے کر یہ ثابت کیا ہے کہ لغت نگاری محض الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ تہذیبی تصادم اور ارتقاء کا آئینہ دار ہوتی ہے۔

مقالے کی خوبی یہ ہے کہ یہ صرف الفاظ کی فہرست نہیں دیتا بلکہ لغت نگاری کے فنی مباحث (جیسے املا، تلفظ اور اعراب) پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ مقالہ نگار نے انگریزی مستشرقین کی کوششوں کو سراہا ہے۔ مقالہ کی مضبوطی اس کے مستند حوالوں سے ظاہر ہوتی ہے جیسے کہ سید احمد دہلوی کی (فرہنگ آصفیہ) اُردو لغت نگاری کا وہ سنگ میل ہے جس نے انیسویں صدی کے آخر میں اُردو کو ایک منظم ڈھانچہ فراہم کیا۔ لغت نگاری کے اصولوں پر مولوی عبدالحق کی آرا کو مقالہ میں بطور معیار استعمال کیا گیا ہے۔ جیسے کہ میر علی اوسط اشک لکھنوی کی لغت "نفس اللغہ" کے متعلق مولوی عبدالحق کے بقول اسے فرہنگ کہنا چاہیے۔ (8)

سائرہ اکرم خان کا یہ مقالہ اُردو اور فارسی لغت نگاری کے طالب علموں کے لئے ایک بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ مقالہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ انیسویں صدی کی لغات نے نہ صرف زبان کو محفوظ کیا بلکہ اُردو کے لسانی تشخص کو فارسی کے غلبے سے نکال کر ایک مستقل بنیاد فراہم کی۔

3۔ ممتاز مفتی کی کتاب "سمے کا بندھن" کی لفظیات کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ از عمارہ اسلم، ڈاکٹر تنظیم الفردوس

عمارہ اسلم کا تحقیقی مقالہ جو ممتاز مفتی کے اس افسانے میں استعمال ہونے والی زبان، نفسیاتی گہرائی اور علامتی تحریر پر مبنی ہے۔ اس افسانے کی لسانی خوبیاں، کرداروں کی نفسیاتی عکاسی اور "سمے" یعنی "وقت" کے تصور کو اجاگر کیا ہے۔ اس میں مقالہ نگار نے افسانے کی تکنیک اور زبان کے مختلف پہلوؤں کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔ عمارہ اسلم نے افسانے میں استعمال ہونے والے الفاظ، محاورات اور تراکیب کا باریک بینی سے تجزیہ کیا ہے۔ خاص طور پر وہ الفاظ جو پنجابی، انگریزی، ہندی اور اُردو کا حسین امتزاج پیش کرتے ہیں۔ افسانے کے کرداروں (سنہری، ٹھاکر، آپی، سارنگی نواز) کے اندرونی احساسات، تضادات اور جذباتی کشمکش کو مقالہ نگار نے بخوبی اجاگر کیا ہے۔ "سمے کا بندھن" میں وقت (سمے) کے فلسفے اور زندگی کے معانی پر روشنی ڈالنے کے لیے استعمال ہونے والی علامات (جیسے سارنگی نواز، ٹھاکر، سنہری) کی تفہیم پیش کی گئی ہے۔ ممتاز مفتی کے کہانی سنانے کے منفرد فن، مکالموں کی برجستگی اور تجسس پیدا کرنے کی صلاحیت کا جائزہ لیا گیا ہے۔ عمارہ سلم کا مقالہ "سمے کا بندھن" کی گہرائی کو سمجھنے میں مدد دیتا ہے۔ یہ افسانے کی لسانی اور فکری سطح کو سامنے لاتا ہے اور ممتاز مفتی کی ادبی زبان اور فنی مہارت کو واضح کرتا ہے۔

4۔ ارض پاکستان کا اولین اُردو سفر نامہ از فرزانہ زیدی

فرزانہ زیدی کا تحقیقی مقالہ "ارض پاکستان کا اولین سفر نامہ" اُردو سفر نامہ نگاری کی ایک مستند اور کلیدی دستاویز ہے۔ سفر نامہ اُردو نثر کی ایک ایسی صنف ہے جو انسانی جذبات اور احساسات کا امتزاج ہوتا ہے۔ مقالہ نگار نے پاکستان کی سرزمین سے وابستہ اولین اُردو سفر نامہ کی شناخت اور اس کے ادبی محاسن کا جائزہ لیا ہے۔ (1909ء)"سیاحت ہند" حافظ عبدالرحمن امرتسری کی ایک تاریخی دستاویز ہے اور خصوصیت کا حامل ہے کیونکہ اس میں پاکستان کے مختلف علاقوں کا سفر اور تاریخ سے روشناس ہوئے کا موقع ملتا ہے۔:

> "سیاحت ہند" اپنے عہد کا بہترین تاریخی ماخذ ہے، جس سے پاکستان میں شامل علاقوں کے علاوہ ہندوستان میں موجود علاقوں کی نہ صرف سماجی، سیاسی، مذہبی، بلکہ تعلیمی حالت کا اندازہ بھی ہو جاتا ہے۔ بلکہ اس کی اس اہمیت سے کسی بھی طور انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ نہ صرف اپنے عہد کی زبان و بیان کا آئینہ دار ہے بلکہ ارض پاکستان کے حوالے سے اہم تاریخی ماخذ کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔"(9)

اس تحقیق کی اہمیت اس لئے زیادہ ہے کہ یہ پاکستانیت کے تصور اور ارض وطن سے وابستگی کے ابتدائی نقش تلاش کرتی ہے۔ مقالہ نگار نے سفر نامے کی تحریر یا اصل مواد سے ان جغرافیائی اور ثقافتی عناصر کی نشاندہی کی ہے جو اس وقت کی سماجی زندگی کی عکاسی کرتے ہیں۔ یہ سفر نامہ اُردو ادب اور تاریخ پاکستان کے طالب علموں کے لئے بنیادی اہمیت کا حامل ہے۔ فرزانہ زیدی کا یہ مقالہ تاریخ اور ادب کے امتزاج کی ایک بہترین مثال ہے۔

5۔ مزدور طبقہ اور پاکستانی اُردو ناول از قیصر آفتاب احمد، ڈاکٹر مشتاق عادل

مقالہ نگار قیصر آفتاب احمد نے اس تحقیقی مضمون میں پاکستانی اُردو ناول میں مزدوروں کی نمائندگی کا جائزہ لیا ہے۔ ادب کو سماج کا آئینہ قرار دیتے ہوئے مقالہ نگار نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ادب کا حقیقی مقصدیت ہے کہ وہ معاشرے کے پسے ہوئے طبقات کے مسائل کو منفرد اسلوب میں اجاگر کرے۔ مقالے میں ان پاکستانی ناولوں کا تجزیہ پیش کیا گیا ہے جن میں صنعتی ترقی اور معاشی ناہمواریوں کے نتیجے میں مزدوروں طبقے کو درپیش چیلنجوں کو موضوع بنایا گیا ہے:

> "مزدوروں کے مسائل کے حوالے سے پاکستانی اُردو ناول کا جائزہ لیں تو سب سے پہلے عبداللہ حسین کا ناول اداس نسلیں" سامنے آتا ہے۔ ااس ناول میں ہندوستان کے زراعت پیشہ لوگوں کے مسائل، جنگ عظیم میں ہندوستان کے لوگوں کو جنگ کا ایندھن بنانے کے واقعات اور ایک جاگیر دار خاندان کو مرکز و محور بنایا گیا ہے۔"(10)

یہ مقالہ پاکستانی ادب میں مزدوروں طبقے کے مسائل کو نمایاں کرتا ہے۔ جو ایک مثبت پہلو ہے ادب اور سماجی کے گہرے تعلق کو واضح کرتے ہوئے ناول نگاروں کی اس کاوش کو سراہتے ہے کہ انھوں نے کس طرح نچلے طبقے کی زندگی کے کرب کو فن کا حصہ بنایا۔

6۔ ریڈیو پاکستان کی خبروں میں معنوی خلا اور افتراق کی تلاش: انگریزی اور اُردو زبانوں کا تقابلی مطالعہ از ڈاکٹر منور علی کلور

ڈاکٹر منور علی کلور کا یہ تحقیقی مضمون اُردو صحافتی لسانیات میں ایک اہم اضافہ ہے اور لسانیات اور صحافت کے طالب علموں کے لئے ایک اہم دستاویز ہے۔ یہ مقالہ اس بات کا جائزہ لیتا ہے کہ کس طرح ایک ہی خبر جب دو مختلف زبانوں، اُردو اور انگریزی میں پیش کی جاتی ہے تو اس کے معنی اور اثر میں فرق آجاتا ہے۔ یعنی معنوی خلا پیدا ہوتا ہے۔ یہ مطالعہ اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ ترجمہ میں لسانی اور ثقافتی پس منظر کی وجہ سے ایک ہی خبر میں کیسے معنوی خلا پیدا ہوتا ہے۔ جو ابلاغی یکسانیت یعنی معلومات پہنچانے کے عمل کے لئے ایک چیلنج ہے۔ ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ انگریزی خبروں میں استعمال ہونے والے بعض سیاسی اور سماجی استعارے جب اُردو میں منتقل ہوتے ہیں تو ان کا وہ اثر باقی نہیں رہتا۔ مقالہ اس "تہذیبی خلا" کو پر کرنے میں درپیش مشکلات کا احاطہ کرتا ہے۔

مقالے میں اس حقیقت کو ثابت کیا گیا ہے کہ انگریزی زبان میں ایک لفظ کو مختلف زاویوں سے بیان کرنے کے چار الفاظ ہیں تو اس کے مقابلے میں اُردو میں ایک لفظ ہے اور یہی معنوی خلا اور افتراق اصل خبر کے تاثر کو بدل دیتا ہے۔ بعض اوقات یہ خلا جان بوجھ کر نہیں بلکہ وقت کی کمی اور ترجمے کی دشواری کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے جیسے شاید مقالے میں مکمل طور پر "افتراق" کا نام دے دیا گیا ہے۔ ریڈیو اب معلومات کا بنیادی ذریعہ نہیں رہا موجودہ دور میں سوشل میڈیا اور ڈیجیٹل پلیٹ فارمز پر یہ خلا زیادہ گہرا ہے جس پر مقالے میں مزید بحث کی گنجائش تھی۔ ڈاکٹر منور علی کلور کا یہ کام اُردو لسانیات اور ابلاغیات کو سمجھنے کے لیے ایک ٹھوس بنیاد فراہم کرتا ہے جو نہ صرف ترجمہ نگاری کے فن بلکہ خبروں کی ترسیل کے فنی ابہام کو دور کرنے میں بھی معاون ہے۔

سال 2020ء میں "امتزاج" کے دو شمارے نمبر 13 اور 14 شائع ہوئے یہ سال نہ صرف تنقیدی نظریات کی بازیافت کے لئے اہم تھا بلکہ اس میں لسانی تجزیے اور موجودہ عہد کے شعری و نثری رجحانات کو بھی بھرپور جگہ دی گئی۔ یہ سال جریدہ امتزاج کے لئے ایک مشکل مگر کامیاب سال تھا کیونکہ اسی دوران کرونا وبا کے باعث تعلیمی ادارے بند تھے لیکن جریدے نے اپنے اشاعتی تسلسل کو برقرار رکھا اور شمارہ نمبر 13 اور شمارہ نمبر بروقت شائع کیے۔ شمارہ نمبر 13 میں شامل مقالات اُردو ادب کی مختلف جہات جیسا کہ شخصیت، نگاری، سیاسی شعور، صحافتی تاریخ اور لسانی تجزیہ کا احاطہ کرتے ہیں۔

1۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری: کچھ باتیں، کچھ خط از ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد

ڈاکٹر ارشد محمود ناشاد نے فرمان فتح پوری کی شخصیت کے ان پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے جو عام طور پر ان کی بھاری بھرکم تنقیدی کتابوں کے پیچھے چھپ جاتے تھے۔ انھوں نے ثابت کیا ہے کہ فرمان فتح پوری نہ صرف ایک محقق اور نقاد تھے بلکہ ایک نہایت مشفق اور وضع دار انسان بھی تھے۔ اس تحقیقی مضمون کا اہم حصہ ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے وہ خطوط ہیں جو انھوں نے ارشد محمود ناشاد کو لکھے۔ ان خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کہ فرمان فتح پوری صاحب نئے لکھنے والوں کی کس طرح حوصلہ افزائی کرتے تھے:

> "فرمان فتح پوری صاحب سے مجھے تقریباً چودہ سال مراسلت کا شرف حاصل ہوا۔ پہلا خط 9 ستمبر 1994ء کا ہے جب کہ آخری خط 12 جولائی 2007ء کا نوشتہ ہے۔ چودہ برسوں پر محیط یہ سولہ خط میرے پاس محفوظ ہیں۔ یہ خط ایک دور افتادہ طالب علم کے ساتھ ایک معروف ادیب، عالم اور استاد کی بے پناہ شفقت اور محبت کا اظہاریہ ہیں۔"(11)

مقالے میں ان کی تحریروں اور خطوط کی روشنی میں ان کی فکری بصیرت کا تجزیہ کیا گیا ہے اور انہیں ایک ایسا محقق قرار دیا گیا ہے جس کی نظر اُردو ادب کی ہر صنف پر گہری تھی۔

2۔ سلمٰی اعوان کی ناول نگاری اور سیاسی شعور (ایک مختصر تجزیاتی مطالعہ) از عظمی اختر، ڈاکٹر تنظیم الفردوس
یہ مقالہ سلمی اعوان کے فن میں موجود سیاسی شعور کو اجاگر کرتا ہے۔ اُردو ناول سفر ناموں میں سیاسی تحریکوں کی عکاسی ایک اہم موضوع رہا ہے۔ مقالہ نگار نے سلمی اعوان کے ناولوں کا تجزیہ کرتے ہوئے دکھایا ہے کہ کس طرح انھوں نے سیاسی تبدیلیوں اور تحریکوں کو اپنے افسانوی کینوس پر سمیٹا ہے۔ سلمی اعوان نے فلسطین اور بنگلہ دیش جیسے خطوں کے سیاسی بحرانوں کو جس طرح فکشن کا حصہ بنایا ہے وہ اُردو ناول نگاری میں کم نظر آتا ہے۔ ان کا سیاسی شعور سرحدوں میں مقید نہیں بلکہ وہ مظلوم انسانیت کی ترجمانی کرتی ہیں:

> "سلمی اعوان نے نہ صرف ملکی بلکہ بین الاقوامی سیاسی امور پر بھی لکھا، جس میں فلسطین
> کے حالات وواقعات سے آگاہی دینے والا ناول "لہورنگ فلسطین" جنگ ستمبر 1965ء کے
> پس منظر میں لکھا گیا ناول "ثاقب۔" (12)

یہ تحقیقی مضمون ثابت کرتا ہے کہ سلمی اعوان کا سیاسی شعور محض نعرہ بازی نہیں بلکہ ایک گہرا انسانی درد ہے جو ان کے فن کو آفاقیت بخشتا ہے۔

3۔ سانحہ مسجد کانپور: مسلم اُردو صحافت کا ردعمل اور شعری منظر نامہ از ڈاکٹر فیض الدین احمد
یہ تحقیقی مضمون تحریک آزادی اور اُردو ادب کی تاریخ میں ایک اہم دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ تحقیقی مضمون 1913ء کے اس المناک واقعہ کا احاطہ کرتا ہے جب برطانوی حکومت نے سڑک چوڑی کرنے کے نام پر کانپور کی مچھلی بازار مسجد کانپور ایک حصہ شہید کر دیا تھا۔ڈاکٹر فیض الدین احمد نے اپنے اشاعتی تحقیقی مقالے میں محض جذباتی بیانیہ اختیار کرنے کے بجائے تاریخی حقائق کو اولیت دی ہے

انھوں نے مسجد کے انہدام سے لے کر احتجاجی لہر اور پھر برطانوی وائسرائے لارڈ ہارڈنگ کی جانب سے سمجھوتے تک کے تمام مراحل کو دستاویزی ثبوتوں کے ساتھ پیش کیا ہے۔ مقالے کا ایک بڑا حصہ اسلامی دور کی مسم صحافت کے متحرک کردار پر مبنی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے واضح کیا ہے کہ کس طرح مولانا ابو الکلام آزاد کے "الہلال"، مولانا محمد علی جوہر کے "کامریڈ" اور "ہمدرد" اور ظفر علی خان کے "زمیندار" نے اس سانحے کو ایک قومی تحریک میں بدل دیا۔ انھوں نے یہ ثابت کیا کہ اس سانحے نے مسلم صحافت کو "دفاعی" سے "جارحانہ" اور انقلابی رخ عطا کیا۔ یہ صحافت ہی تھی جس نے دوردرشن کے مسلمانوں کو کانپور کے اس مقامی مسئلے سے جوڑ کر ایک متحدہ پلیٹ فارم پر لا کھڑا کیا۔

اس مقالے کی سب سے نمایاں خوبی یہ ہے کہ مصنف نے سیاسی تاریخ کو ادب سے جوڑ دیا ہے۔ انھوں نے اسلامی دور کے شعراء مثلاً اکبر الہ آبادی، حسرت موہانی اور دیگر کے کلام کے ذریعے یہ دکھایا ہے کہ کس طرح نظم ایک احتجاجی ہتھیار بن گئی۔ اکبر الہ آبادی کی ظرافت میں چھپا درد اور حسرت موہانی کی بے باکی کو ڈاکٹر فیض الدین نے نہایت سلیقے

سے منتخب کیا ہے۔ یہ تحقیقی مضمون محض واقعہ کی رپورٹنگ نہیں بلکہ بیسویں صدی کے اوائل میں ہندوستانی مسلمانوں کی سیاسی بیداری، صحافتی جرآت اور ادبی احتجاج کا ایک جامع علمی محاکمہ بھی ہے۔ ڈاکٹر فیض الدین احمد نے واضح کیا ہے کہ کس طرح مسجد کانپور کے بعد پیدا ہونے والی برطانوی مخالف لہر نے مسلم لیگ اور کانگریس کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔

4۔ مغرب اُردو سفر نامے میں عالیہ نکہت، ڈاکٹر قاضی عابد

اس تحقیقی مضمون میں انیسویں صدی سے بیسویں صدی کے سفر ناموں میں مغربی دنیا کی تصویر کشی کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس میں اُردو سفر نامہ نگاروں نے مغرر ممالک کی تہذیب و ثقافت، تمدن اور مشاہدات کو اپنی تحریروں کا حصہ بنایا۔ اُردو سفر ناموں میں مغرب کی تصویر کشی کا آغاز یوسف خان کمبل پوش کے "عجائبات فرہنگ (1837)" سے ہوتا ہے:

> " کمبل پوش 31 اگست 1873 میں جہاز سے اتر کر کشتی کے ذریعے لندن روانہ ہوئے۔ وہ لندن کو دیکھ کر وارفتہ و حیران رہ گئے۔ ان کے سفر نامے میں جاذب نظر نظارے، تحیرانگیز واقعات، نئے تجربات اور ایک دیہاتی کی سی حیرت پائی جاتی ہے جو اچانک کسی بڑے شہر آنکلے۔ یوسف کمبل پوش انگلستان سے بہت متاثر نظر آتے ہیں، کہیں کہیں وہ احساس کمتری کا شکار بھی ہو جاتے ہیں۔ وہ انگلستان کی تہذیب، معاشرت، تمدن، ثقافت اور اس کی اقتصادی زندگی کے گرویدہ نظر آتے ہیں۔"(13)

سر سید احمد خان کے سفر نامے "مسافران لندن" میں مغرب کو ایک مثالی معاشرے کے طور پر پیش کیا گیا۔ مقالہ نگار نے مابعد نوآبادیاتی تناظر میں اس بات کا جائزہ لیا ہے کہ مشرقی محققین اور ادیبوں نے مغرب کو کن نظروں سے دیکھا۔ کیا یہ محض مرعوبیت تھی یا ایک تنقیدی مشاہدہ؟ اس تحقیق سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اُردو سفر نامہ نگاروں نے مغربی معاشرت کی مادی ترقی کی تعریف کے ساتھ ساتھ وہاں کے خاندانی نظام کی شکست وریخت پر بھی گہری چوٹ کی ہے۔ یہ مقالہ مشرق و مغرب کے درمیان فکری اور تہذیبی مکالمے کی ایک بہترین دستاویز ہے۔

5۔ خیمے سے دور: انتظار حسین کے افسانوں کے مجموعے کا لسانی تجزیہ از ارم نیر، ڈاکٹر تنظیم الفردوس

ارم نیر نے اُردو کے عظیم افسانہ نگار انتظار حسین کے مجموعے "خیمے سے دور" کا لسانی تجزیہ پیش کیا ہے۔ انتظار حسین اپنی علامت نگاری اور اساطیری اسلوب کے لیے جانے جاتے ہیں۔ مقالہ نگار نے ان کی تخلیقی زبان، لفظیات کے چناو اور جملوں کی ساخت کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ انتظار حسین کا لسانی تجربہ ان کے افسانوں کے معنی میں

گہرائی پیدا کرتا ہے۔ انتظار حسین کی زبان میں قدیم داستانی رنگ اور جدید بیانیہ کا ایک انوکھا امتزاج ملتا ہے جو قاری کو ماضی اور حال کے درمیان ایک پلیٹ فراہم کرتا ہے۔ ارم نیر کے مطابق:

"اساطیری افسانہ میں تاریخی واقعہ، کردار یا حالات کے پس منظر میں جدید ماحول کو بیان کرنے کی فنی کوششیں کی جاتی ہیں۔"(14)

انتظار حسین کے افسانوں کی اساطیری فضا کہانی کو صرف خوبصورت نہیں بناتی بلکہ ماضی اور حال کے درمیان ایک فعال علامتی رشتہ قائم کرتی ہے۔ انھوں نے تجزیہ کیا ہے کہ کس طرح انتظار حسین نے مذہبی اور تہذیبی الفاظ (جیسے ہجرت، بن باس "جلاوطنی") کو نئے معنی پہنائے ہیں۔ یہ تحقیقی مضمون کہانی کی بجائے انتظار حسین کے اسلوب، الفاظ کے چناؤ اور جملوں کی بناوٹ کو سمجھنے میں رہنمائی کرتا ہے۔ تاہم مقالہ نگار نے لسانیات پر زور دیتے ہوئے افسانوں کے سماجی و سیاسی پہلوؤں کو کسی قدر ثانوی حیثیت دی ہے لیکن اسلوبیاتی مطالعے کے حوالے سے یہ ایک جامع کام ہے۔

6۔ فحاشی اور عریانی کے تصورات، اُردو ادب کے تناظر میں از ڈاکٹر انصار احمد شیخ

ڈاکٹر انصار احمد شیخ کا مقالہ ایک نازک اور بحث طلب موضوع فحاشی اور عریانی پر مبنی ہے۔ مقالہ نگار نے ان دونوں اصطلاحات کے درمیان موجود باریک فرق کو واضح کیا ہے۔ جنھیں اکثر ایک دوسرے کی جگہ استعمال کر لیا جاتا ہے۔ اُردو ادب کی تاریخ میں جنسی موضوعات کے اظہار پر ہونے والی تنقید اور ادیبوں کے موقف کو اس مقالے میں غیر جانبدارانہ اور حقیقت پر مبنی انداز میں پرکھا گیا ہے۔

7۔ پروفیسر کرار حسین کے تنقیدی تصورات (تہذیب و ثقافت کے سیاق و تناظر میں) از ڈاکٹر نبیل احمد نبیل

ڈاکٹر نبیل احمد نبیل کا مقالہ پروفیسر کرار حسین کی تنقید نگاری کے بنیادی اصولوں پر بحث کرتا ہے۔ کرار حسین کے نزدیک تنقید محض متن کا مطالعہ نہیں بلکہ یہ ایک وسیع تر تہذیبی و ثقافتی عمل ہے۔ مقالے میں ان کے تنقیدی نظریات کو تہذیب کے پس منظر، جس سے اس کا اصل اور مکمل مفہوم واضح ہو سکے اور جو اُردو تنقید میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ کلچر اور سولائزیشن کے متعلق پروفیسر کرار حسین نے لکھا ہے:

"کلچر (ثقافت) کے ساتھ ساتھ ایک اور لفظ سولائزیشن (تہذیب) بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ ان کے آپس کے تعلقات پر دو مختلف اہم آراء ہیں۔ ایک تو یہ کہ کلچر کا دور کسی معاشرے کی زندگی میں پہلے ہوتا ہے۔ شاعروں اور نبیوں کا دور، اور تہذیب کا دور خاتمہ پر ہوتا ہے۔ انجینئروں اور ماہرین معاشیات کا دور، اس کے بعد معاشرے کی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ تہذیب کا تعلق زندگی کے اداروں، قدروں اور

اندازوں کے خارجی پہلو سے ہوتا ہے اور کلچر کا داخلی پہلو سے۔ گویا کلچر اور تہذیب کا تعلق روح اور جسم کا سا ہے۔" (15)

ڈاکٹر نبیل احمد نبیل کا یہ تحقیقی مضمون پروفیسر کرار حسین کی تنقید کو ایک نئے اور گہرے تہذیبی و ثقافتی تناظر میں پیش کرتا ہے جو ان کے فکری رویوں کی وضاحت کرتا ہے۔ یہ مضمون اُردو تنقید میں کرار حسین کے منفرد مقام کو سمجھنے کے لئے اہم ہے۔ جس میں وہ تہذیب کے مفاہیم اور ثقافتی پہلوؤں کو اپنے تنقیدی تجزیے میں شامل کرتے ہیں۔

8۔ سندھ کا سلسلہ نقشبند اور سوانح نگاری (محرکات، اسلوب اور تجزیہ) از ڈاکٹر ذوالفقار دانش

ڈاکٹر ذوالفقار دانش کا یہ تحقیقی مضمون سندھ میں نقشبندی صوفیاء کی سوانحی روایت کا ایک اہم علمی جائزہ ہے۔ یہ تحقیقی مضمون ان سوانح نگاری کے محرکات، خصوصیات اور اسلوب پر روشنی ڈالتا ہے جو روایتی تذکرہ نگاری سے ہٹ کر تاریخی واقعہ علمی حقائق کی طرف مائل نظر آتے ہیں۔ اس مضمون میں ان عوامل کی نشاندہی کی گئی ہے جنہوں نے سندھ میں سلسلہ نقشبندیہ کی ترویج اور پھر اس حوالے سے سوانحی ادب کی تخلیق میں اہم کردار ادا کیا۔ ڈاکٹر دانش نے واضح کیا ہے نقشبندی سوانح نگاروں کا اسلوب خشک علمی کے بجائے اصلاحی اور روحانیت سے بھرپور ہے۔ اس میں عقیدت مندی کے ساتھ ساتھ واقعات کو مستند طریقے سے بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ سوانح نگاری میں فارسی روایات کا اثر نمایاں ہے۔ یہ تحقیقی مقالہ سندھ کی صوفیانہ تاریخ میں نقشبندیہ کے کردار کو سوانحی ادب کے آئینے میں سمجھنے کے لئے ایک ٹھوس بنیاد فراہم کرتا ہے۔ یہ ثابت کرتا ہے کہ نقشبندی سوانح نگاروں نے صرف عقیدت پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ صوفیاء کی سیرت کے فنی اور ادبی پہلوؤں کو بھی اجاگر کیا۔ ڈاکٹر ذوالفقار دانش کی یہ تحقیق سندھ میں سلسلہ نقشبندیہ اور اس کی سوانح نگاری کے مطالعے کے لیے ایک بنیادی اور اہم دستاویز ہے۔

سال 2020ء کے آخری شمارے میں جدید اُردو نظم اور لغت نویسی کے فن پر گراں قدر تحقیقی مقالات شامل ہیں۔

1۔ صوبہ سندھ میں ثانوی سطح کی اُردو درسی کتابوں میں موجود صنفی امتیاز (ایک تحقیقی مطالعہ) از حرا بشیر

حرا بشیر نے اپنے اشاعتی تحقیقی مضمون میں صوبہ سندھ میں ثانوی سطح کی اُردو درسی کتابوں میں موجود صنفی امتیاز کی موجودگی کا جائزہ لیا ہے۔ موضوع اپنی نوعیت کے اعتبار سے نہایت اہم ہے کیونکہ درسی کتابیں طلبہ کی فکری، سماجی اور تہذیبی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ صنفی امتیاز پر مبنی مواد نہ صرف سماجی عدم مساوات کو تقویت دیتا ہے بلکہ آئندہ نسلوں کے ذہنی رویوں کو بھی متاثر کرتا ہے۔ اس حوالے سے حرا بشیر کا مقالہ ایک حساس اور عصری مسئلے کی نشاندہی کرتا ہے جو تعلیمی نصاب کی تشکیل نو کی ضرورت کو اجاگر کرتا ہے۔

مقالہ نگار نے حقائق و مشاہدات پر مبنی اعداد و شمار کے ذریعے ثابت کیا کہ اُردو کی درسی کتب میں مردانہ کرداروں کی تعداد نسوانی کرداروں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔ اکثر اسباق مرد شخصیات (فاتحین، شعراء، مصلحین) کے گرد

گھومتے ہیں۔ جس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ تاریخ اور ادب میں موجود خواتین کا کردار ثانوی رہا ہے۔ اس تحقیقی مضمون میں اس بات پر تنقید کی گئی ہے کہ مردوں کو بہادری، عقل، قیادت اور بیرونی دنیا کے کاموں سے منسوب کیا جاتا ہے۔ جبکہ خواتین کو جذباتیت، قربانی، گھریلو ذمہ داریوں اور کمزوریوں کی علامت بنا کر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ صنفی امتیاز طلبہ میں صنفی کرداروں کے بارے میں دقیانوسی تصورات کو پختہ کرتا ہے۔ جس سے خواتین کی سماجی و معاشی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں۔ مقالہ نگار تجویز کرتی ہیں کہ نصاب کو جدید خطوط پر استوار کیا جائے اور خواتین کے متحرک، عقلی اور فعال کرداروں کو شامل کیا جائے تاکہ صنفی برابری کو فروغ مل سکے۔ یہ تحقیقی مضمون موضوع کے انتخاب، مسئلے کی نوعیت اور سماجی معنویت کے اعتبار سے قابل تحسین ہے۔ مجموعی طور پر یہ تحقیقی مطالعہ تعلیمی نظام میں صنفی حساسیت پیدا کرنے اور نصاب کو متعصبانہ مواد سے پاک کرنے کی ضرورت پر زور دیتا ہے

2۔ انور مسعود کی طنزیہ و مزاحیہ شاعری میں سماجی و تہذیبی شعور از زاہد مجید امجد

انور مسعود اُردو اور پنجابی مزاحیہ شاعری کا ایک معتبر نام ہیں اور اُردو میں معیار اور انفرادیت کی علامت ہیں۔ خاص طور پر ان کی طنز و مزاح پر مبنی شاعری جس میں معاشرتی ناہمواریوں پر گہری چوٹ کی گئی ہے۔ تعلیمی نظام کے نقائص اور اخلاقی زوال پر بھی نہایت دکھ کے ساتھ طنز کرتے ہیں:

"انور مسعود سماجی اور معاشرتی مسائل کا گہرا شعور رکھتے ہیں۔ انھوں نے بارہا شاعری میں ہمارے معاشرے کی کوتاہیوں، غیر ذمہ داریوں اور لوگوں کے جاہلانہ رویوں پر طنز کیا ہے۔"

کوئی ہو جائے مسلمان تو ڈر لگتا ہے
مولوی پھر نہ بنا دے اسے کافر بابا"(16)

اس تحقیقی مضمون کا تنقیدی پہلو یہ ہے کہ محقق نے طنز و مزاح کو ایک سنجیدہ ادبی صنف کے طور پر پیش کیا ہے جو سماجی اصلاح کا کام کرتی ہے۔ مقالے میں ان کی قطعہ نگاری اور تحریف نگاری (پیروڈی) کے نمونوں سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ انور مسعود نے کس طرح مزاح کے پردے میں سماجی مسائل اور تہذیبی گراوٹ کو موضوع بنایا ہے:

"تحریف نگاری میں انور مسعود کا نہیں، اُردو قطعہ نگاری کا عروج بھی ہے۔

کل جو ہوا ہے دفعتاً اس سے مرا مکالمہ
خوبی اختصار کا تجربہ کچھ یونیک ہے
میں نے کہا کہ بزم ناز، اس نے کہا کہ کیا کہا؟
میں نے کہا کہ کچھ نہیں، اس نے کہا کہ ٹھیک ہے"(17)

انور مسعود کے کلام میں موجود تہذیبی عناصر کی نشاندہی کر کے مقالہ نگار نے ان کی شاعری کی نئ جہتیں روشن کی ہیں۔انور مسعود کی شاعری میں موجود "تہذیبی شعور "انہیں اپنے ہم عصر مزاح نگاروں میں ایک ممتاز مقام عطا کرتا ہے

3۔اُردو لغت بورڈ کی "اُردو لغت (تاریخی اصول پر)" پر محقق و مدون رشید حسن خان کے اعتراضات از شہناز گل

شہناز گل کا تحقیقی مقالہ ایک اہم علمی و ادبی کوشش ہے جو اُردو لغت نویسی پر اٹھائے گئے سوالات کا احاطہ کرتا ہے۔رشید حسن خان نے اُردو لغت بورڈ کی لغت پر سخت تنقید کی تھی۔جسے شہناز گل نے اپنے تحقیقی مقالہ میں مدلل انداز میں بیان کیا ہے۔ رشید حسن خان کے اعتراضات محض تنقید برائے تنقید نہیں بلکہ تدوین لغت کے مسلمہ اصولوں پر مبنی ہیں۔رشید حسن خان کی تنقید کو بعض حلقوں میں "سخت گیری" سے تعبیر کیا گیا۔لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان کے اعتراضات نے اُردو لغت نگاری کو ایک نئ جہت عطا کی۔ان کی بدولت لغت میں املاء کی غلطیوں کی نشاندہی ہوئی۔اُردو لغت (تاریخی اصول پر) کی بعد کی جلدوں میں اسناد کی چھان بین میں احتیاط برتی گئی۔ محققین کو یہ احساس ہوا کہ لغت نویسی محض الفاظ جمع کرنے کا کام نہیں بلکہ ایک کڑی آزمائش ہے۔شہناز گل کا مقالہ اُردو لغت بورڈ کی خامیوں کو رشید حسن خان کے نقطہ نظر سے سمجھنے کے لئے ایک بنیادی ماخذ ہے۔یہ بتاتا ہے کہ ایک قومی سطح کے منصوبے میں علمی و تحقیقی معیار کو برقرار رکھنا کتنا بڑا چیلنج ہوتا ہے۔

4۔ثروت حسین کی نظم "ایک بازدید" از ضیاء المصطفی

ثروت حسین کی نظم "ایک بازدید" پر ضیاء المصطفی کا تحقیقی مضمون ثروت حسین کی شعری مجموعے "آدھے سیارے پر" میں شامل ہے۔ اس تحقیقی مضمون میں ثروت حسین کی شاعری کے ان اہم پہلوؤں پر بات کی گئی ہے جن میں وجودی موضوعات، فطرت اور قدیم وجدید طرز فکر کا ملاپ نمایاں ہے جسے ضیاء المصطفی جیسے ناقدین نے تنقیدی انداز میں پیش کیا ہے۔ثروت حسین کی شاعری میں انسان کے وجودی کرب اور اندرونی خلا کو اجاگر کیا گیا ہے۔فطری مناظر کو صرف جمالیاتی نہیں بلکہ زندگی کے گہرے رازوں اور انسان کے داخلی عالم کو بیان کرنے کا ذریعہ سمجھا گیا۔ثروت حسین نے کلاسیکی شاعری کی باریکیوں کو جدید طرز اظہار کے ساتھ ملا کر ایک منفرد اسلوب ایجاد کیا۔

ضیاء المصطفی نے اس نظم میں ثروت حسین کے نظریاتی پس منظر، جذبات کی شدت اور کلام میں پائی جانے والی ہم آہنگی و توازن کو نمایاں کیا ہے جو قارئین کو سوچنے پر مجبور کرتا ہے۔ثروت حسین نے "بازدید "کو محض یاد ماضی نہیں بلکہ ایک نئے شعور کی دریافت کے طور پر پیش کیا ہے۔وہ نظم کے استعاروں (جیسے دھول،راستہ، پرانی کھڑکیاں) کو انسان کی داخلی تنہائی سے جوڑتے ہیں۔ضیاء المصطفی کا یہ تحقیقی مضمون ثروت حسین کی تخلیقی جڑوں تک پہنچنے کی ایک کامیاب

کوشش ہے۔ یہ قاری کو بتاتا ہے کہ "ایک بازدید" محض ایک نظم نہیں بلکہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں آج کا انسان اپنی گمشدہ شناخت تلاش کر سکتا ہے۔

5۔ احمد فراز کی شاعری میں "حروف" کا استعمال از محمد افضل صافی

محمد افضل صافی کا تحقیقی مقالہ دراصل ان کی کتاب "احمد فراز کی شاعری کا فنی اور اسلوبیاتی مطالعہ" کا ایک جزو یا اس سے متعلقہ ہے جس میں فراز کے اسلوبیاتی پہلوؤں جیسے الفاظ، علامات اور حروف کا تجزیہ شامل ہے:

> "احمد فراز کی شاعری میں حروف کا استعمال تخلیقی سطح پر نہایت فنکارانہ انداز میں ملتا ہے۔ ان کی شاعری میں حروف، اسما اور افعال کے ساتھ نہایت عمدگی سے استعمال ہوئے ہیں۔ جس کے نتیجے میں اشعار کی گہری معنویت، موسیقیت اور غنائیت سے ہم آغوش ہو گئی ہے"(18)

صافی کے بقول فراز نے مخصوص حروف جیسے حروف علت کا استعمال اس مہارت سے کیا ہے کہ غزل میں موسیقی اور نغمگی پیدا ہو جاتی ہے۔ حروف علت عموما سبب کو ظاہر کرنے کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ جو یہ ہیں: سو، پس، اس لئے، لہذا، بنابریں، کیوں، کہ، تا، تاکہ، مبادہ، ان میں سے کم و بیش تمام حروف احمد فراز کی شاعری میں بکثرت استعمال ہوئے ہیں البتہ بنابریں اور مبادا کا استعمال کم ہوا ہے۔:

"سو دیکھ کر ترے رخسار و لب یقین آیا
کہ پھول کھلتے ہیں گلزار کے علاوہ بھی
مبادا کل کسی بسمل پہ رحم آ جائے
کچھ اور روز ابھی تیغ ناز ہم پر کھینچ"(19)

محمد افضل صافی کا یہ تحقیقی مضمون احمد فراز کی شاعری کے ایک ایسے گوشے کو بے نقاب کرتا ہے جسے عام طور پر ناقدین نظر انداز کر دیتے ہیں مجموعی طور پر یہ مقالہ فراز کے کلام کی فنی ساخت کو سمجھنے میں کلیدی اہمیت رکھتا ہے۔

6۔ غالب کے ایک شعر کی قاری اساس تعبیر از محمد راشد سعیدی

محمد راشد سعیدی کا تحقیقی مقالہ "غالب کے ایک شعر کی قاری اساس تعبیر" اُردو تنقید میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔ یہ مقالہ غالب کے ایک شعر کو جدید تنقیدی زاویے خصوصا قاری اساس تنقید کے تحت سمجھنے کی ایک اہم کوشش ہے۔ ادب کی تاریخ میں قاری کے مقام کو کبھی بھی صحیح طور پر تسلیم نہیں کیا گیا تاہم مابعد جدیدیت نے متن، مصنف اور قاری کی تکون کو نظر انداز کر کے قاری کو اہمیت دی ہے۔ اور مواد کی تفہیم اور تشریح کے خیال کو قاری کی بنیاد پر پیش کیا ہے۔ اس تحقیقی مضمون میں اس خیال کو بنیاد بنایا گیا ہے کہ متن کے معنی جامد نہیں ہوتے بلکہ قاری اپنی

بصیرت، تجربے اور عہد کے مطابق اس سے نئے معنی کشید کرتا ہے۔ مقالہ نگار نے غالب کے ایک مخصوص شعر کو منتخب کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ ایک ہی شعر کی تفہیم مختلف قراءتوں کے ذریعے کتنی وسیع ہو سکتی ہے۔

"ہے غیب ،غیب جس کو سمجھتے ہیں ہم شہود
ہیں خواب میں ہنوز جو جو جاگے ہیں خواب میں"[20]

غالب کے اس ضرب المثل شعر میں وجود، شہود، حقیقت، وہم اور عرفانی ادراک کے مسائل بیان ہوئے ہیں۔ یہ شعر محض صوفیانہ رمز یعنی روحانی اشارہ ہی نہیں بلکہ انسانی شعور اور ادراک کی حدود کے حوالے سے ایک فکری تجسس بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مقالہ نگار نے اسے قاری اساس تعبیر کے تناظر میں پرکھنے کی کوشش کی ہے۔ جو جدید تنقیدی رویوں سے ہم آہنگ ہے۔ ہر قاری اپنی ذہنی ساخت، فکری پس منظر اور تجربات کے مطابق اس کی تعبیر کرتا ہے۔ شاعر کی نیت حتمی یا فیصلہ کن نہیں بلکہ قاری کی قرآت معنی کو جنم دیتی ہے۔ مقالے میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ شعر میں موجود تصورات، جیسے غیب و شہود، خواب و بیداری، حقیقت و وہم۔ ایسے معنوی امکانات پیدا کرتے ہیں جو ہر قاری کے لیے مختلف صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ صوفیانہ مزاج کا قاری اسے عرفانی حقیقت اور دنیا کی ناپائیداری کی علامت سمجھتا ہے۔ فلسفی قاری اسے شعور اور لاشعور کی کشمکش سے جوڑتا ہے۔ جبکہ جدید قاری اسے انسانی ذہنی کشمکش اور فکری بیگانگی کی علامت کے طور پر پڑھتا ہے۔ مقالہ نگار قاری کو معنی کی تشکیل میں مرکزی حیثیت دیتا ہے اور یہ واضح کرتا ہے کہ متن اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا۔ جب تک قاری اسے اپنے شعوری عمل سے معنی نہ دے۔ یہ تحقیقی مقالہ غالب کے شعر کو ایک زندہ متحرک اور کثیر المفہوم متن کے طور پر پیش کرتا ہے۔ مجموعی طور پر یہ تحقیقی مضمون فکری اعتبار سے مضبوط اور موضوع کے لحاظ سے نہایت اہم ہے۔ یہ تحقیقی اُردو تنقید میں قاری اساس تعبیر کے فروغ کی ایک سنجیدہ کوشش ہے اور غالب کی شاعری کو نئے زاویے سے سمجھنے میں مدد دیتا ہے اور اُردو تحقیق میں جدید تنقیدی رویوں کو فروغ دیتا ہے۔

7۔ داستان: عروج وزوال کا تہذیبی تناظر از نیاز حسین سواتی

داستان اُردو اور فارسی کی قدیم ترین اور مقبول ترین اصناف نثر میں شمار ہوتی ہے۔ نیاز حسین سواتی کا مضمون داستان کے عروج وزوال کو محض ادبی نہیں بلکہ تہذیبی و سماجی تناظر میں دیکھنے کی سنجیدہ کوشش ہے۔ مقالہ نگار کا نقطہ نظر یہ ہے کہ داستان کا عروج اس عہد کی اجتماعی ذہنیت ،اقدار اور سماج سے جڑا ہوا تھا اور اس کا زوال بھی تہذیبی تبدیلیوں، نو آبادیاتی اثرات اور نئے ادبی رجحانات کا نتیجہ ہے۔ مقالہ نگار داستان کو ایک ایسی صنف قرار دیتے ہیں جو مافوق الفطرت عناصر، اخلاقی تصورات اور اجتماعی تخیل کی نمائندہ تھی۔ یہ صنف اس عہد میں پروان چڑھی جب معاشرہ،

روایت، اساطیر اور بادشاہی نظام سے وابستہ تھا۔ داستان کا عروج زبانی روایت، دربار اور عوام میں مقبولیت، تفریح، اخلاق اور تخیل کے امتزاج کی وجہ سے ممکن ہوا۔ داستان کے زوال کو برطانوی نوآبادیاتی نظام، جدید تعلیم، حقیقت نگاری اور ناول و افسانے کے فروغ سے جوڑا گیا ہے۔ مقالہ نگار کے نزدیک یہ تبدیلیاں تہذیبی شعور کی تبدیلی کی علامت ہیں۔ مقالہ نگار کا استدلال مجموعی طور پر منطقی اور مربوط ہے۔ یہ تحقیقی مضمون داستان کو ایک زندہ تہذیبی دستاویز کے طور پر پیش کرتا ہے اور اس تصور کی نفی کرتا ہے کہ داستان محض ایک فرسودہ صنف ہے۔ اگرچہ بعض مقامات پر تجزیے میں وسعت کی گنجائش موجود ہے تاہم مجموعی طور پر یہ مقالہ اُردو داستان کے حوالے سے ایک مثبت اور بامعنی اضافہ ہے۔

8۔ سارہ شگفتہ: اُردو نظم میں تانیثی مطالعے کی ایک جاندار آواز از مجاہد حسین

مجاہد حسین کا یہ تحقیقی مضمون سارہ شگفتہ کی نظم نگاری میں نسائی نقطہ نظر کی عکاسی کرتا ہے۔ جس میں ان کی شاعری کی جذباتی گہرائی اور نسائی شعور کو اجاگر کیا گیا ہے اور یہ مضمون اُردو شاعری میں تانیثیت پر مبنی تنقید کے لیے اہم ہے جسے مختلف جرائد میں اشاعت کے ساتھ ناقدین نے سراہا ہے۔ سارہ شگفتہ کی شاعری میں نسائیت کا پہلو بہت نمایاں ہے۔ مجاہد حسین نے سارہ شگفتہ کے کلام سے مثالیں دے کر ان کے نسائی شعور کو واضح کیا ہے۔ سارہ شگفتہ کی شاعری محض جذباتیت نہیں بلکہ عورت کے سماجی استحصال کے خلاف ایک بھرپور احتجاج ہے۔ سارہ نے روایتی تانیثیت سے ہٹ کر اپنی ذات کے کرب کو کائناتی دکھ سے جوڑ دیا تھا۔ مجاہد حسین نے سارہ کی نظموں "کفن"، خواب"، اور "درد" کے حوالے سے یہ واضح کیا کہ کس طرح انھوں نے مردوں کے اس معاشرے میں عورت کے جسمانی اور روحانی کرب کو بیان کیا ہے۔ مقالہ نگار نے سارہ کی خودکشی کو ان کی زندگی کا نہیں بلکہ اس ظالم سماج کا المیہ قرار دیا ہے جو ایک آزاد خیال عورت کو قبول کرنے سے قاصر رہا۔ مقالہ نگار کے بقول "سارہ نے زبان کے رائج ڈھانچوں کو توڑ کر اپنے لئے ایک ایسی زبان تخلیق کی جو براہ راست روح سے مخاطب ہے۔ مجاہد حسین کا یہ تحقیقی مضمون سارہ شگفتہ کو محض ایک "نفسیاتی مریضہ" کے بجائے ایک باشعور تانیثی آواز کے طور پر متعارف کروانے میں سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے جو اُردو نظم کے صنفی مطالعے میں نئے دریچے کھولتا ہے۔

کراچی کے تحقیقی جریدہ "امتزاج" کے 2019ء سے 2020ء تک کے دورانیے کا جائزہ لینے سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یہ جریدہ اُردو کی علمی روایت میں جامعہ ایک خوشگوار اضافہ ہے اس جریدے نے اپنی ششماہی اشاعت کے تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے نہ صرف تحقیق کے مروجہ اسالیب کی پیروی کی، بلکہ نئے موضوعات اور اچھوتے خیالات کا بھی خیر مقدم کیا۔ ویب گاہ کے قیام سے جریدے کی رسائی مقامی سطح سے نکل کر عالمی سطح تک پھیل گئی ہے۔ جس سے اُردو تحقیق کو نئی وسعت ملی ہے۔ سفرنامہ، ناول، شاعری اور لسانیات جیسے روایت موضوعات کے ساتھ ساتھ

جدید سماجی مسائل اور عالمی اثرات کو بھی تحقیق کا حصہ بنایا گیا ہے۔ جریدہ امتزاج اپنے نام کی مناسبت سے حقیقت میں قدیم و جدید اور مختلف ادبی اصناف کا ایک خوبصورت امتزاج پیش کرتا ہے۔ جامعہ کراچی کا شعبہ اُردو اس جریدے کے ذریعے اُردو زبان و ادب کی جو خدمت انجام دے رہا ہے وہ تاریخ کا ایک سنہرا باب ثابت ہو گی۔

2019ء اور 2020ء کے سال اس جریدے کی تاریخ میں اس لئے بھی یادگار رہیں گے کہ ان سالوں میں جریدے نے نہ صرف ڈیجیٹل دنیا میں قدم رکھا بلکہ فکری طور پر بھی اُردو تحقیق کو جہان تازہ سے آشنا کیا۔ ان شماروں میں کئی ایسی شخصیات اور ادبی جہات پر کام کیا گیا جو پہلے نظر انداز تھیں یا جن پر کام کی گنجائش موجود تھی۔ خاص طور پر تراجم اور تقابلی ادب کے حوالے سے پیش کئے گئے مضامین نے اُردو ادب کے افق کو وسعت دی۔ موجودہ صورتحال میں جریدہ امتزاج اُردو کے ان چند گنے چنے جرائد میں شامل ہے جن پر علمی دنیا میں بھرپور اعتماد کیا جاتا ہے۔ اس جریدے کی پوری ٹیم اس علمی کامیابی پر مبارکباد کی مستحق ہے کہ انھوں نے ایک معیاری اور مستند تحقیقی پلیٹ فارم مہیا کیا۔

جامعہ کراچی کا یہ علمی ستارہ اُردو کی کہکشاں میں بھی پوری آب و تاب کے ساتھ چمک رہا ہے۔ اور آنے والے وقتوں میں بھی محققین کی علمی پیاس بجھانے کا سامان کرتا رہے گا۔ ان دو سالوں کا تحقیقی سفر روایت کی پاسداری اور جدت کی جستجو کا ایک متوازن امتزاج ہے۔ جس نے اُردو ادب کے طالب علموں اور اساتذہ کے لیئے علمی و فکری رہنمائی فراہم کی ہے۔

حواشی وحوالہ جات

https:// . Imtezaaj .uok.edu.pk-1

2-ذوالفقار دانش، سندھ میں خانقاہی ادب میں سفر نامے کی روایت، مشمولہ امتزاج: شمارہ 11، جامعہ کراچی، 2019ء، ص30

3۔ شہاب الدین ثاقب، ڈاکٹر، انجمن ترقی اردو ہند کی علمی وادبی خدمات (آغاز سے۔ 1947ء تک) مشمولہ انتخاب کلام میر، میر شناسی کی روایت کا نقش اول: ڈاکٹر شازیہ امبرین: امتزاج، شمارہ 11 ، جامعہ کراچی، 2019ء، ص38

4۔ ایضاص، 38

5۔ عبادت بریلوی، جدید اُردو شاعری بحوالہ: نگار مشمولہ جدید اردو نظم پر ثقافتی اثرات، امتزاج 11، جامعہ کراچی، ص 42

6۔ خورشید علی، ڈاکٹر فرزانہ کوکب، رتن ناتھ سرشار اور سجاد حسین کے ہاں اردو مزاحیہ کرداروں میں لکھنوی تہذیب وثقافت کی پیشکش: تقابلی مطالعہ مشمولہ: امتزاج شمارہ 11، جامعہ کراچی، 2019ء، ص78

7۔ نسیم عباس احمر ، میرزا ادیب کی ڈرامہ نگاری :ترقی پسند اور نوآبادیاتی تناظر مشمولہ امتزاج 11، جامعہ کراچی، 2019ء، ص93

8۔ روف پاریکھ، ڈاکٹر، اردو لغت نویسی (تاریخ، مسائل اور مباحث) مشمولہ: برعظیم پاک وہند میں انیسویں صدی میں تالیف کی گئی اردو اور فارسی لغات (ایک تعارف)، سائرہ اکرم خان، مشمولہ امتزاج ۔12، جامعہ کراچی، 2019ء، ص27

9۔ فرزانہ زیدی: ارض پاکستان کا اولین سفر نامہ مشمولہ امتزاج۔12، جامعہ کراچی، 2019ء، ص70

10۔ قیصر آفتاب احمد، مشتاق عادل، مزدور طبقہ اور پاکستانی اردو ناول مشمولہ امتزاج۔12، جامعہ کراچی، 2019ء، ص75

11۔ ارشد محمود ناشاد، ڈاکٹر، فرمان فتح پوری، کچھ باتیں۔ کچھ خط مشمولہ امتزاج۔ 13، جامعہ کراچی، 2020ء، ص11

12۔ عظمی اختر، ڈاکٹر تنظیم الفردوس، سلمی اعوان کی ناول نگاری اور سیاسی شعور (ایک مختصر تجزیاتی مطالعہ)۔ امتزاج۔ شمارہ ۔13۔ جامعہ کراچی 2020ء۔ ص۔ 23۔

13۔ عالیہ نکہت، ڈاکٹر قاضی عابد، مغرب اردو سفر نامے میں امتزاج۔ شمارہ۔13۔ جامعہ کراچی۔2020ء۔ ص۔161۔

14۔ ارم نیر، ڈاکٹر تنظیم الفردوس، خیمے سے دور: انتظار حسین کے افسانوں کے مجموعے کا لسانی تجزیہ مشمولہ امتزاج۔13، جامعہ کراچی، 2020ء، ص29

15۔ نبیل احمد نبیل، ڈاکٹر، پروفیسر کرار حسین کے تنقیدی تصورات (تہذیب و ثقافت کے سیاق و تناظر میں) مشمولہ امتزاج۔13، جامعہ کراچی، 2020ء، ص178

16 ۔ زاہد مجید امجد، انور مسعود کی طنزیہ ومزاحیہ شاعری میں سماجی وتہذیبی شعور مشمولہ امتزاج14، جامعہ کراچی، 2020ء، ص21

17۔ ایضا، ص23

18۔ محمد افضل صافی، احمد فراز کی شاعری میں "حروف" کا استعمال مشمولہ امتزاج۔14، جامعہ کراچی، 2020ء، ص59

19۔ ایضا، ص62

20۔ محمد ارشد سعیدی، غالبِ دیوان غالب کامل، مرتب: کالی داس گپتا رضا، مشمولہ غالب کے ایک شعر کی قاری اساس تعبیر مشمولہ امتزاج۔14، جامعہ کراچی، 2020ء، ص7

References in Roman Script:

1. https://Imtezaaj. uok.edu.pk
2. Zulfiqar Danish, Dr., “Sindh Mein Khanqahi Adab Mein Safarnamay Ki Riwayat,” Mashmoola Imtezaaj, Shumara 11, University of Karachi, 2019, p. 30.
3. Shahabuddin Saqib, Dr., Anjuman Taraqqi-e-Urdu Hind Ki Ilmi-o-Adabi Khidmaat (Aghaz Se 1947 Tak), Mashmoola Intikhab-e-Kalam-e-Mir, “Mir Shanasi Ki Riwayat Ka Naqsh-e-Awwal,” Dr. Shazia Ambreen, Imtezaaj, Shumara 11, University of Karachi, 2019, p. 38.
4. Ibed, p. 38.
5. Ibadat Barelvi, Dr., Jadeed Urdu Shayari, ba Hawala Nigar, Mashmoola “Jadeed Urdu Nazm Par Saqafati Asraat,” Imtezaaj, Shumara 11, University of Karachi, p. 42.
6. Khurshid Ali, Dr. Farzana Kokab, “Ratan Nath Sarshar aur Sajjad Hussain Ke Haan Urdu Mazahiya Kirdaron Mein Lakhnavi Tehzeeb-o-Saqafat Ki Peshkash: Taqabuli Mutala‘a,” Mashmoola Imtezaaj, Shumara 11, University of Karachi, 2019, p. 78.
7. Naseem Abbas Ahmar, Dr., “Mirza Adeeb Ki Drama Nigari: Taraqqi Pasand aur No-Aabadiyati Tanazur,” Mashmoola Imtezaaj, Shumara 11, University of Karachi, 2019, p. 93.
8. Rauf Parekh, Dr., Urdu Lughat Nawisi (Tarikh, Masail aur Mabahis), Mashmoola “Bar-e-Sagheer Pak-o-Hind Mein Unnisween Sadi Mein Taleef Ki Gayi Urdu aur Farsi Lughat (Aik Ta‘aruf),” Saira Akram Khan, Imtezaaj, Shumara 12, University of Karachi, 2019, p. 27.
9. Farzana Zaidi, “Arz-e-Pakistan Ka Awwaleen Safarnama,” Mashmoola Imtezaaj, Shumara 12, University of Karachi, 2019, p. 70.
10. Qaisar Aftab Ahmad, Dr. Mushtaq Adil, “Mazdoor Tabaqa aur Pakistani Urdu Novel,” Mashmoola Imtezaaj, Shumara 12, University of Karachi, 2019, p. 75.
11. Arshad Mahmood Nashad, Dr., Dr. Farman Fatehpuri, Kuch Baatein, Kuch Khat, Mashmoola Imtezaaj, Shumara 13, University of Karachi, 2020, p. 11.
12. Uzma Akhtar, Dr. Tanzeem-ul-Firdous, “Salma Awan Ki Novel Nigari aur Siyasi Shoor (Aik Mukhtasar Tajziyati Mutala‘a),” Imtezaaj, Shumara 13, University of Karachi, 2020, p. 23.
13. Aaliya Nikhat, Dr. Qazi Abid, “Maghrib Urdu Safarnamay Mein,” Imtezaaj, Shumara 13, University of Karachi, 2020, p. 161.

14. Aram Nair, Dr. Tanzeem-ul-Firdous, “Khaime Se Door: Intizar Husain Ke Afsanon Ke Majmue Ka Lisani Tajziya,” Mashmoola Imtezaaj, Shumara 13, University of Karachi, 2020, p. 29.
15. Nabeel Ahmad Nabeel, Dr., “Professor Karrar Husain Ke Tanqeedi Tasawwurāt (Tehzeeb-o-Saqafat Ke Siyaq-o-Tanazur Mein),” Mashmoola Imtezaaj, Shumara 13, University of Karachi, 2020, p. 178.
16. Zahid Majeed Amjad, “Anwar Masood Ki Tanziya-o-Mazahiya Shayari Mein Samaji-o-Tehzeebi Shoor,” Mashmoola Imtezaaj, Shumara 14, University of Karachi, 2020, p. 21.
17. Aizan, p. 23.
18. Muhammad Afzal Safi, “Ahmad Faraz Ki Shayari Mein ‘Huroof’ Ka Istemaal,” Mashmoola Imtezaaj, Shumara 14, University of Karachi, 2020, p. 59.
19. Aizan, p. 62.
20. Muhammad Arshad Saeedi, Ghalib-e-Diwan-e-Ghalib Kamil, Murattib: Kali Das Gupta Raza, Mashmoola “Ghalib Ke Aik Sher Ki Qari Asaas Ta‘beer,” Imtezaaj, Shumara 14, University of Karachi, 2020, p. 7.